بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

طاقت کا نشہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

آج دنیا میں دسیوں حقوق انسانی کی تنظیمیں قائم ہیں، لیکن شاید ایک کمزور انسان آج سب سے زیادہ بے بس ہے، ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ ایک گھسی پٹی مثال ہے، لیکن شاید موجودہ دنیا اسی مثال پر چل رہی ہے، سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں جس طرح دولت کا ارتکاز ہوتا ہے اسی طرح طاقت کا بھی ارتکاز ہوتا جاتا ہے، کسی ملک کو طاقت حاصل ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ طاقت صرف اسی کے پاس رہے دوسرا سر اٹھانے کے بھی قابل نہ رہے، ’’شہنشاہیت‘‘ کے نام سے یہ فرسودہ اور ظالمانہ نظام صدیوں پہلے رائج تھا آج وہی نظام دوبارہ بال و پر نکال رہا ہے۔

عام طور پر لوگوں کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے، لوگ بڑے بڑے تاریخی حقائق بھول جاتے ہیں، نہ ان سے سبق لیتے ہیں، اور نہ سفر شروع کرتے وقت یا کوئی بڑا فیصلہ لیتے وقت گزشتہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جس کا بعض مرتبہ بڑا خامیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

یہودیوں کی ہزار سالہ ہی نہیں پوری تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے کس درجہ انسانوں پر مظالم ڈھائے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے، دنیا کے مختلف ملکوں نے عاجز آکر ان سے پیچھا چھڑایا، بالآخر فلسطین کی سرزمین کو انہوں نے نشانہ بنایا، آہستہ آہستہ اثر و رسوخ کو بڑھا کر وہ وہاں کے باشندوں کو بے دخل کرتے گئے اور جب وہاں کے لوگوں کو ہوش آیا اور ان کو اپنے پیر کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی اور انہوں نے احتجاج کیا اور اپنا حق لینا چاہا تو ان کو نہ جانے کن کن خطابات سے نوازا گیا، برسوں کی جد جہد کے بعد ’غزہ‘ نامی ایک چھوٹی سی پٹی ان کو ان کا حق کہہ کر دے دی گئی، وہاں کے اصل باشندوں کی کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دبا دیا گیا، ان پر زمین تنگ کر دی گئی، یہودیوں کو اب ان کا وہاں وجود خار کی طرح کھٹکتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کو پوری طرح قبضہ حاصل ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کو غزہ سے بھی بے دخل کر دیا جائے، یہودیوں کو طاقت حاصل ہے اور بڑے طاقتوروں کی پشت پناہی حاصل ہے، اس نے غزہ پر تازہ حملہ کر کے سارے رکارڈ توڑ دیے، سیکڑوں بچوں اور عورتوں کو موت کی نیند سلا دیا، جنازوں پر حملے کیے، اسپتالوں کو نہیں بخشا، دو ہزار کے قریب ان کے مرنے والوں کی تعداد پہنچ گئی، مشہور ہے کہ ظالم بزدل ہوتا ہے، اب جب اس پر زد پڑی، کچھ اس کا نقصان بھی ہوا، ساری دنیا میں مظاہرے بھی ہوئے تو اس کو پیچھے ہٹنا پڑا لیکن اصل مسئلہ ہے طاقت کے ارتکاز کا، یہ بنیادی مسئلہ ہے، جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا دنیا میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، نہ کوئی تنظیم کچھ کر سکتی ہے اور نہ کسی ملک کے بس میں کچھ ہے!!

اقوام متحدہ سیکورٹی کونسل کی میٹنگ میں جو فلسطین کے خلاف جنگ بندی کے لیے بلائی گئی تھی امریکی وزارت خارجہ کی ترجمانی نہیں ہو سکی، نیوز ایجنسیوں کے مطابق اسرائیلی وزیر اعظم ایہود المرٹ نے امریکی صدر بش کو فون کر کے کہا کہ آپ اس قرارداد کے حق میں ووٹ نہیں دے سکتے۔ صدر بش نے کہا کہ مجھے قرارداد کے متن کا علم نہیں ہے۔ اس پر اولمرٹ نے کہا میں جانتا ہوں آپ کو اس کے حق میں ووٹ نہیں دینا ہے۔ اس پر بش نے وزیر خارجہ رائس کو میٹنگ میں شریک ہونے سے روک دیا، اسرائیل نے ظلم و سفاکی کی انتہا کر دی لیکن وہ سپر پاور جس نے جمہوریت کے نام پر کتنے ملکوں میں اپنی فوجیں اتار دیں اس کو فلسطین میں جنگ بندی کی صرف قرارداد پاس کرنے کے لیے میٹنگ میں شرکت سے عذر کیوں ہوا؟ اب اقتدار کی نئی تبدیلی سے کیا توقعات کی جا سکتی ہیں؟ یہ وقت ہی بتائے گا۔

لوگوں کے حافظہ کا حال یہ ہے کہ یہ سب نے دیکھا کہ فلسطینیوں نے خودکش حملہ کیا، اس میں اسرائیلی مارے گئے مگر یہ کس نے دیکھا کہ ان کا وطن چھن گیا، ان کے گھر اجڑ گئے، ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں، گودیں سونی ہو گئیں، بے اطمنانی کی کیفیت عام ہو گئی، کیا وہ انسان نہیں ہیں، ان کے سینوں میں دھڑکتا ہوا دل نہیں ہے، کیا ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی، مثل مشہور ہے: ’’تنگ آمد بجنگ آمد‘‘ حساس آدمی جب دیکھتا ہے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا تو جان کی بازی لگانا اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کو آپ جنون کہیے یا سرفروشی لیکن پھر سر اس کے لیے وبال دوش بن جاتا ہے۔

آج دنیا میں بے اطمنانی کی جو عام کیفیت پیدا ہوتی جا رہی ہے، جینے کا جو مزہ ختم ہو رہا ہے، اس کے پیچھے دولت و قوت کا عدم توازن ہے، اور وہ یک طرفہ کارروائیاں ہیں جو سکون و اطمنان کو چھین لیتی ہیں، ذمہ داری ہے احساس رکھنے والوں کی، انسانیت کا درد رکھنے والوں کی، حقائق پر غور کرنے والوں کی، تاریخ سے سبق لینے والوں اور اس سے روشنی حاصل کرنے والوں کی اور حالات بتا رہے ہیں کہ شاید یہ چیز ابھی عنقا نہیں ہوئی ہے۔

ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲

فروری ۲۰۰۹ء / صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

سرپرست
حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِ عرفات)

نگراں
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)
مولانا احمد علی حسنی ندوی مدظلہ
(ڈائریکٹر، دارِ عرفات)

مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۷ روپئے سالانہ: ۷۰ روپئے
اعزازی (سالانہ) ۵۰۰ روپئے

مرکز الامام أبي الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں
رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱
E-Mail: alnadwi@yahoo.com

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ’’پیام عرفات‘‘، مرکز الامام أبي الحسن الندوی، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

انٹرویو

'دہشت گردی کے واقعات کی تحقیق ضروری ہے'

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(موجودہ حالات کے تناظر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) سے دہشت گردی سے متعلق ایک انٹرویو لیا گیا، جو افادۂ عام کی غرض سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ادارہ)

(۱) مسلمانوں پر دہشت گردی کے جو الزام عالمی سطح پر اور ملکی پیمانہ پر لگایا جارہا ہے اس کے پس پردہ حقائق کیا ہیں؟

جواب: دہشت گردی کی شکل میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ کسی ملک یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف مذاہب رکھنے والوں میں پیش آرہے ہیں شمالی آئیرلینڈ، برطانیہ، سری لنکا، آسام، جھارکھنڈ، کشمیر وغیرہ، دراصل ان واقعات کے پیچھے زیادہ تر سیاسی حالات میں تشدد کا رنگ آجانے اور کمزور طبقات کے بعض متأثر افراد کے بے قابو ہوجانے سے بھی ہوتے ہیں، اس کے لیے مسلمانوں پر بلا تحقیق کے الزام دینا سب سے پہلے امریکہ نے شروع کیا، اس کے پیچھے مسلمانوں کی اسلامیت کو توڑنے کا مقصد ہوسکتا ہے شاید اسی لیے اکثر واقعات کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرکے بدنام کیا جاتا ہے اور اس طرح مسلمانوں کی اسلامیت کو ختم کرنے کے لیے اس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس کے لیے مسلمانوں نے بار بار اجتماع کرکے یہ واضح کیا ہے ہے کہ دہشت گردی کے واقعات سے اسلام کا بالکل تعلق نہیں ہے، اسلام تو کسی کے ساتھ زیادتی اور بے قصور کو ایذاء پہنچانے کا سخت مخالف ہے، اور اسلامی ذہن رکھنے والا کوئی بھی اس زیادتی کو پسند نہیں کرسکتا، ضرورت ہے کہ ایسا کوئی واقعہ ہو تو یہ تحقیق کرنا چاہیے کہ اصل مجرم کون ہیں، اور واقعہ بڑا ہو تو یہ تحقیق کرنا چاہیے کہ اس کے پیچھے خفیہ سازش کیا ہے؟ بغیر پوری تحقیق کے مسلمانوں پر الزام لگانا صحیح نہیں ہے۔

(۲) دہشت گردی کی تعریف ہر ایک اپنے اعتبار سے کرتا ہے، دنیا کے مختلف ملکوں میں اس سے فائدہ بھی اٹھایا جارہا ہے، اس کے حقائق پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

جواب: دہشت گردی کا لفظ ایک گالی کا لفظ بن گیا ہے، اور اس کے ذریعہ مغربی ذہن کے لوگ جس کو چاہتے ہیں مطعون کردیتے ہیں، اور بارہا ایسا الزام جھوٹا ثابت ہوا ہے۔

(۳) دہشت گردی کے عمومی اسباب آپ کی نظر میں کیا ہیں؟

جواب: اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والا اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالتا ہے، لہٰذا اس کے پیچھے کوئی گہرا سبب ہی ہوتا ہوگا۔

(۴) ''مسلم دہشت گردی'' کے بعد میڈیا نے ''ہندو دہشت گردی'' سے متعارف کرایا ہے، اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ؟

جواب: اہل ملک کو اس صورت حال کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ دہشت گردی کو صرف مسلمانوں سے جوڑتے رہنا کتنا غلط رہا ہے!

(۵) دہشت گردی کے واقعات کے بعد عام طور پر مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مسلم قائدین اور جماعتوں کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوتا، ایسا کیوں؟

جواب: ردعمل ظاہر ہوتا رہتا ہے، احتجاج بھی کیا جاتا رہا اور ذمہ داران حکومت کو متوجہ بھی کیا جاتا رہا لیکن میڈیا نے اس کو کم نمایاں کیا۔

(۶) فدائی حملوں، خودکش حادثوں اور بم دھماکوں کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف آسانی سے منسوب کردیا جاتا ہے جبکہ حالات کے تجزیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ بم دھماکے فرقہ وارانہ منافرت بھڑکانے کے لیے منصوبہ بند طریقہ سے کرائے جاتے ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: آپ کے سوال میں ہی جواب بھی مضمر ہے، میری رائے یہ ہے کہ پریس اور مضامین کے ذریعہ اس حقیقت کو واضح کرنا چاہیے، منصوبہ بند طریقہ کا جواب منصوبہ بند طریقہ سے دینا زیادہ کارگر ہے۔

(۷) کسی بھی دہشت گرد واقعہ کے بعد میڈیا کا کیا رول ہونا چاہیے؟

جواب: تحقیق سے پہلے کسی کو مجرم نہیں کہنا چاہیے۔

(۸) دہشت گردی کے خلاف جلسوں میں اور مسلم قائدین کے بیانات میں عام طور پر دفاعی پوزیشن اختیار کی جاتی ہے، کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟

جواب: کسی وقت دفاع کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور مسلم قائدین نے دفاعی طریقے کے ساتھ مثبت طریقے بھی اختیار کیے ہیں۔

(۹) دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کے لیے آپ کی نظر میں کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہیے؟

جواب: یہ حکومت وقت کی ذمہ داری بنتی ہے اور تدابیر کا سمجھنا بھی اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔

(۱۰) موجودہ حالات میں آپ کا ملک کے دانشور اور بہی خواہوں کو کیا پیغام ہے؟

جواب: یہ حضرات ملک وقوم کی صرف سیاسی واقتصادی قوتِ فکر پر انحصار نہ کریں اور اخلاقی اور انسانی کردار کو پیدا کرنے کی طرف کم از کم ضروری حد تک ضرور کوشش کریں کیونکہ ایسا نہ ہونے سے ملک اخلاقی وانسانی پستی کے ڈھلوان پر تیزی سے جارہا ہے، اور جب یہ بات بہت بڑھ جائے گی تو پھر علاج کرنا مشکل ہے۔

(۱۱) اسلام کا مسلمانوں کو اصل پیغام کیا ہے؟

جواب: اللہ کا خوف اور اس کے احکام کی پابندی کریں، اور اس بات کا احساس پیدا کریں کہ اپنے اعمال کا حساب آخرت میں دینا ہے جہاں کوئی مروت یا سفارش نہیں چل سکے گی، اور اپنے ہم وطنوں میں اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کریں اور انسانی واخلاقی کردار کی طرف توجہ دلائیں۔

روشنی کا مینار

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پانچویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا تو پوری دنیا ظلم وستم کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھی، دنیا میں بسنے والے انسان دو خانوں میں تقسیم تھے، یا ظالم یا مظلوم، مشرق میں ایرانی شہنشاہی (Persian Empire) اور مغرب میں رومی شہنشاہی (Roman Empire) نے کمزور انسانوں کو ظلم کی چکی میں اس طرح پیس کر رکھ دیا تھا کہ پورے دنیا میں اس کے خلاف زبان کھولنے والا کوئی نہ تھا، شاہانہ دعوتوں میں رات کو روشنی کا نظام اس طور پر ہوتا کہ کسی غلام کو باندھ کر اس کے کپڑوں میں آگ لگا دی جاتی اور لوگ اس کی روشنی میں کھانا کھاتے، لوگوں کے لیے تفریح کا لمحہ وہ ہوتا جب وہ غلام جل کر دم توڑنے لگتا، لوگ اس منظر کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے، دنیا داری اس درجہ پیدا ہوگئی تھی کہ جس کا پٹکا ایک لاکھ سے کم کا ہوتا وہ معمولی انسان سمجھا جاتا تھا، دنیا کے جنگلوں میں انسان ایسا چکر کاٹ رہا تھا کہ غلامی کے اس محور سے نکلنا اس کے لیے سخت دشوار تھا، لوگ اپنی عادتوں کے ایسے غلام تھے کہ ایرانی بادشاہ یزدگرد جب تخت چھوڑ کر بھاگا اور پیاس کی شدت میں اس کو مٹی کے برتن میں پانی دیا گیا تو بولا کہ ”میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کا عادی ہوں، پیاسا مرجاؤں گا لیکن مٹی کے برتن میں پانی نہیں پی سکتا“، عورتوں کی حیثیت کسی جانور سے زیادہ نہ تھی، شوہر کے انتقال کے بعد وہ جانوروں سے بدتر تھی، اسی لیے بعض علاقوں میں وہ ستی ہوجانا اس زندگی سے بہتر سمجھتی تھی، غرض یہ کہ جہالت وبربریت کی ایسی آندھیاں تھیں کہ ان کو روکنا دشوار ترین کام تھا، کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخ انسانیت کا تاریک ترین دور تھا۔

اللہ کو اپنی مخلوق پر رحم آیا اور اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد (ﷺ) کو مبعوث فرمایا، آپ (ﷺ) نے ایک ایک کرکے جہالت کی رسموں کو توڑا، انسانوں کو برابری کا درجہ دیا، انسانی جان ومال کی قیمت بتائی، پورے تیئس سال کے عرصہ میں اخلاق وآداب کا ایسا حسین گلدستہ تیار کر دیا جس میں انسانیت کا رنگ تھا، محبت کی خوشبو تھی، عدل وانصاف کی دل آویزی تھی اور اعلی قدروں کا ایسا امتزاج تھا کہ دنیا نے اس پہلے ایسے معتدل ومتوازن نظام کا تجربہ نہیں کیا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں سوا لاکھ کے مجمع میں آنحضرت (ﷺ) نے حقوق انسانی کا ایسا دستور انسانوں کے سامنے پیش فرمایا تھا کہ رہتی دنیا تک کے لیے وہ رہنما اصول ہیں، انہی اصولوں میں صاف صاف ایک اصول آپ (ﷺ) نے یہ بھی بیان فرمادیا تھا: ”**ألا إن كل شئي في أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع**“ (جاہلیت کا ہر کام میرے پیروں کے نیچے ہے)، بعثت نبوی سے پہلے کا دور ہی زمانہ جاہلیت کہلاتا ہے، اس میں نہ علم کی روشنی تھی، نہ اخلاق کی بلندی تھی، نہ انسانی قدریں تھیں، آنحضرت (ﷺ) نے اس تاریکی کو روشنی سے بدلا، انسان کو انسان کی طرح جینا سکھایا، وفات سے چند ماہ پہلے صحابہ کے عظیم مجمع میں آپ (ﷺ) نے اعلان فرمادیا کہ جاہلیت کی کوئی رسم اب دوبارہ جڑ نہ پکڑے، میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں تاکہ انسانیت کا احترام باقی رہے، جان ومال کی حرمت پامال نہ ہو، بے گناہ کسی دوسرے کے جرم میں سزا نہ پائے، خاندانی اونچ نیچ دوبارہ نہ پیدا ہو۔

زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی فرد دوسرے قبیلہ کے آدمی کو قتل کر دیتا تو اس کا بدلہ ضروری سمجھا جاتا اور اس میں بھی قاتل کو ہی قتل کرنا لازم نہ تھا بلکہ اس کے خاندان کے کسی بھی آدمی کو مار دیا جاتا اور پھر یہ سلسلہ چل پڑتا، بعض بعض قبیلوں میں چالیس چالیس سال تک یہ عداوت چلی آتی تھی، سیکڑوں لوگ مارے جاچکے تھے، آپ (ﷺ) نے خاص طور پر اس جاہلی رسم کو بیچ وبن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا: ”**و دماء الجاهلية موضوع**“ (زمانہ جاہلیت کے سب خون معاف کیے جاتے ہیں، اب وہ میرے قدموں کے نیچے ہیں)، بے گناہوں کے قتل کا یہ سلسلہ جو آپ (ﷺ) نے بند فرمایا تھا اس پر مہر لگادی کہ کہیں دوبارہ جاہلیت کی رگ بھڑک نہ جائے، یہ آپ (ﷺ) کی عدل وحکمت کی شان تھی کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”**وإن أول دم أضعه من دمائنا دم إبن ربيعة بن الحارث كان مسترضعاً في بني سعد فقتلته هذيل**“ (سب سے پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، وہ بنی سعد میں دودھ پینے کے لیے بھیجے گئے تھے تو ہذیلی نے ان کو مار ڈالا تھا)

سب سے پہلے آپ (ﷺ) نے اپنے خاندان کو پیش کیا اور یہ آپ (ﷺ) کا طریقہ تھا کہ جب انعام واکرام کا موقع ہوتا تو آپ (ﷺ) غیروں کو آگے فرمادیتے اور جب قربانی کا موقع آتا تو اپنے قریب تر لوگوں کو آگے فرماتے، ربیعہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں، آپ (ﷺ) نے سب سے پہلے ان ہی کا نام لیا اور اعلان فرمادیا کہ ان کے خون کا بے جا بدلہ نہ لیا جائے اور جاہلیت کی یہ رسم بالکل مٹادی جائے۔

خون کی ارزانی کے اس دور میں آنحضرت (ﷺ) کی یہ تعلیمات گھر گھر پہنچانے کی ضرورت ہے، جاہلیت نئے نئے لباس میں جگہ جگہ انسانی قدروں کو پامال کر رہی ہے، زمانہ جاہلیت میں جھوٹی عزت کی خاطر جان لینا ایک کھیل تھا، آج بھی جھوٹی عزت کے لیے معمولی مقاصد کے لیے بلکہ چند ٹکوں کے لیے جان لے لینا آسان ہوگیا ہے، یہ کام چھوٹے پیمانے پر بھی ہو رہا ہے اور ملکی پیمانوں پر بھی، یہ سلسلہ جاری ہے، اپنے مقاصد کے لیے بڑے سے بڑا فساد کرادینا، قوموں کا سفایا کر دینا اور اگر ضرورت ہو تو اس کے لیے پانچ دس اپنے آدمیوں کو بھی مروادینا عالمی سیاست کا حصہ بنتا جارہا ہے، پوری انسانی برادری کے لیے یہ ایک ناسور ہے، نبی آخر الزماں (ﷺ) کی تعلیمات اور خاص طور پر خطبۂ عرفات کا یہ حصہ تمام انسانوں کے لیے جہالت کی تاریکیوں میں روشنی کا ایک مینار ہے۔

مقام علم واہل علم
قرآن کریم کی نظر میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

موجودہ دور کی حیرت انگیز مادی ترقی نے اہل علم کو بھی خاصا متاثر کیا ہے، پہلے جہاں علم کے میدان میں ایک ہی طبقہ نظر آتا تھا جو انسانوں کی دینی ضرورت کی تکمیل کے لیے دینی تعلیم سے وابستہ ہوتا تھا وہیں اب ایک اور طبقہ وجود میں آیا ہے، جو زندگی کی سہولتوں کو حاصل کرنے کی غرض سے دینی تعلیم پانے میں مصروف نظر آتا ہے، نیتوں کے اس عظیم الشان فرق نے مدارس کی روح ومقاصد پر بھی بڑا زبردست اثر ڈالا ہے، اور ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر طلبہ کی اکثریت پُر سہولت زندگی کی تلاش میں دنیا کی بھیڑ میں گم ہونے لگی ہے، یہ مدارس اسلامیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ان کی شب وروز کی محنت آخر اس طرح کیوں رائیگاں جارہی ہے، کیوں وہ غیرت مند و خوددار علماء کی جماعت نکل نہیں پاتی جو صحیح معنی میں امت کی رہبری کا فرض نبھائے، اس کی بظاہر وجہ یہی ہے کہ تحصیل علم کی پشت پر وہ اعلیٰ مقاصد نہ رہے جن سے علم میں رسوخ، عمل میں سچائی، طبیعت میں پاکیزگی اور حق کی گواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جس کی جو غرض ہوگی اس کی آخری معراج بھی اسی غرض تک محدود ہوگی، مشہور حدیث **إنما الأعمال بالنیات** سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اغراض معمولی ہوں تو بڑی سے بڑی عبادت بھی اس غرض سے اونچا مقام نہیں دلاسکتی، یہاں تک کہ ہجرت جیسی عظیم الشان عبادت بھی اگر دنیا کے مفاد کے لیے ہوگی تو اس ہجرت کی رسائی وہیں تک مانی جائے گی۔ ایک پرتعیش زندگی کا خواب عصری علوم کی انتہائے مقصود ہوسکتا ہے، اور عصری علوم کو اس کا اقرار کرنے میں کبھی جھجک یا شرمندگی محسوس نہیں ہوئی، ان کا آخری مقصد ہی یہی ہے کہ دنیا کی اس منڈی میں اپنی اونچی سے اونچی قیمت لگائی جائے، لیکن دینی علم کی غیرت اسے گوارا نہیں کرتی ہے کہ اس علم کے حامل شخص کی کسی طرح کی کوئی قیمت لگائی جائے، اس کا دعویٰ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ وہ دنیا میں کچھ لینے کے لیے آیا ہی نہیں ہے، اس کا کام صرف تقسیم کرنا ہے۔ اس علم کا سلسلۂ نسب جن قدسی صفات حضرات سے مربوط ہے ان کے متعلق خود خالق کائنات نے اس کی گواہی دی ہے کہ وہ دینے کے لیے روئے زمین پر مبعوث کیے گئے ہیں، لینے کے لیے نہیں: "**قل ما سألتكم من أجر فهو لكم إن أجري إلا علىٰ الله**" اس علم کی یہی پہچان ہے، علم کو اللہ رب العزت نے اپنا عظیم الشان فضل قرار دیا ہے، ارشاد ہے: "**و علمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيماً**" (اللہ نے آپ کو سکھلایا جو آپ جانتے نہ تھے، آپ پر اللہ کا فضل نہایت غیر معمولی ہے) اس فضل الٰہی کو کوئی حاصل کرکے پھر اسے بعض معمولی چیزوں کا ذریعہ بنائے تو یہ ایسے ہی ہوا جیسے کوئی نہایت بلندی پر پہنچنے کے بعد سیڑھی لگا کر نیچے اتر آئے، گویا وہ جس قدر کوشش کرے گا اسی قدر پست قرار دیا جائے گا جس طرح نیچے اترنے والا ہر لمحہ پست سے پست تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترین چیز بھی اگر "مال تجارت" کی حیثیت اختیار کرلے تو اس کی رفعتیں اسی وقت اوندھے منہ زمین پر دے ماری جاتی ہیں۔ علم کی بلندی کو استغناء اور قربانی کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے، اس لیے اہل علم کی نظر لوگوں کی تہی دامنی پر ہونی چاہیے کہ انسان کس قدر قلاش ہوچکا ہے کہ انسانیت کے نام پر پھوٹی کوڑی بھی اس کے پاس موجود نہیں تاکہ علم سے معمور سینہ پوری طاقت سے کُل انسانیت کو یہ آواز دے سکے: "**إني قد جاء ني من العلم ما لم يأتك فاتبعني أهدك صراطاً سوياً**" یہ اہل علم کی اصل شناخت ہے، اور یہی ان کا قائدانہ کردار بھی ہے، اس کے ذریعہ جو رفعتیں حاصل ہوتی ہیں وہ دنیا میں امامت کے انتہائی اونچے منصب پر فائز کرتی ہیں، آج بھی اہل علم کی ایک خاصی تعداد ایسی پائی جاتی ہے جو اسی غیرت، خودداری اور شان ایمانی کے ساتھ زندگی بسر کررہی ہے جو نائبین انبیاء کا شعار ہے، "**إني لا أسئلكم عليه اجراً**" کی آواز، وہی "**ما سألتكم من أجر فهو لكم**" کی صدا، وہی "**إن أجري إلا على الله**" کا اعلان کہ جسے خود خدا نے خرید لیا، اسے کون خرید سکتا ہے!!

علم بے نیاز ہے، اور اپنے حاملین کو بھی بے نیاز دیکھنا چاہتا ہے، یہی اس کی پہچان ہے، علم کے ساتھ اگر نیاز مندی آگئی تو پھر علم اپنی غیرت سمیت مٹ جاتا ہے، صرف اصحاب تموّل کی چاکری رہ جاتی ہے، اسی لیے قرآن کریم نے علم کو خشیت الٰہی کے ساتھ وابستہ کیا ہے، جہاں اللہ کی خشیت ہو وہاں پھر کسی اور کے لیے گنجائش ہی کہاں رہ سکتی ہے! ارشاد الٰہی ہے: "**إنما يخشى الله من عباده العلماء**" (اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں) اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خشیت، علم کا تقاضہ، علم کا ثمرہ اور علم کے وزن کو ٹھیک ٹھیک بتانے والا آلہ ہے، ایسا شخص عالم ربانی ہے جو حق کے معاملہ میں نہ کسی سے دبتا ہے نہ ڈرتا ہے، قارون کا سارا خزانہ بھی اس کے قدموں پر ڈھیر کیا جائے تو وہ کوئی اثر نہیں لیتا، قارون ایک دفعہ پوری سج دھج کے ساتھ نکلا تھا، دنیا والے اس کا یہ طمطراق، یہ شاہانہ انداز دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ پکار اٹھے، "**يا ليت لنا مثل ما أوتي قارون، إنه لذو حظ عظيم**" (کاش کہ ہمیں بھی وہ ملتا جو قارون کو ملا ہے، وہ تو قسمت کا دھنی ہے) اہل علم نے اس واقعہ کا کوئی نوٹس نہیں لیا، مال کے خواہش مندوں نے صاف صاف کہہ دیا لیکن: "**و قال الذين أوتوا العلم ويلكم ثواب الله خير من آمن و عمل صالحاً و لا يلقاها إلا الصابرون**" (اہل علم نے کہا: تمہارا ناس ہو اللہ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے، اہل ایمان اور اہل عمل صالح کے لیے، اور یہ درجہ صرف صابروں ہی کو ملتا ہے)، یہ استغناء بھی درحقیقت اللہ کی خشیت ہی کا نتیجہ تھا۔

علم دین سے حجت تمام ہوتی ہے؛ حجت تمام ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ علم کے حصول کے بعد پھر ایسے شخص کے پاس اللہ رب العزت کے سامنے پیش کرنے کے لائق کوئی عذر نہیں ہوگا، ارشاد الٰہی ہے: "**ألم يؤخذ عليهم ميثاق الكتاب ألاّ يقولوا على الله إلا الحق و درسوا ما فيه**" (کیا ان کے سامنے کتاب کا مضبوط عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ پر ہمیشہ حق کہیں گے اور انہوں نے کتاب میں جو لکھا ہوا تھا وہ پڑھ بھی لیا) اب اس کے بعد کہاں سے عذر کا موقع ملے گا؟

فی الوقت ضرورت ہے کہ انسانیت کے یہ معمار، علم نبوت کے یہ رازدار، کتاب وسنت کے یہ علمبردار اپنا منصفانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، اور اپنا احتساب کریں، بے رحم احتساب، تاکہ یہ حقیقت سامنے آجائے کہ موجودہ حالات میں ان کی پوزیشن کیا واقعی لائق اطمینان اور قابل تسلی ہے؟! یہ جائزہ اس لیے ضروری ہے کہ یہی حضرات درحقیقت قوم کا دھڑکتا ہوا دل ہیں، جس کی سلامتی پر پورے بدن کی صحت کا انحصار ہے۔

معذور کی نماز وطہارت کے
چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

اسلامی شریعت کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں انسان کی فطرت اور طبیعت کا پورا خیال رکھا گیا ہے، انسان طبعی طور پر بہت نازک اور کمزور ہے، اسی کے پیش نظر شریعت نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو اس کی طاقت اور بس میں نہ ہو، خود قرآن پاک میں صراحت سے آیا ہے کہ ''اللہ تعالی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔'' مزید فرمایا: ''دین میں اللہ نے تمہارے لیے کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی ہے۔'' نیز فرمایا: ''اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔'' ہم اس مضمون میں ان سہولیات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو شریعت نے انسانی کمزوریوں کے پیش نظر طہارت اور نماز کے احکام میں دی ہیں۔

معذور کی طہارت: — اگر کسی شخص کو پیشاب ٹپکنے کا مرض ہے، اور یہ مرض اتنی شدت سے ہے کہ نماز کا پورا وقت نکل جاتا ہے، اور اسے اتنا وقت بھی پاکی کی حالت میں نہیں ملتا جس میں وہ وضوء کر کے نماز فرض پڑھ سکے تو شرعی طور پر یہ معذور ہے، اور شریعت نے اس کو یہ سہولت دی ہے کہ جب نماز فرض کے کسی وقت میں وضوء کرلے گا تو اب اس عذر کے پیش آنے سے اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا تا آنکہ نماز کا وقت گزر جائے، البتہ اس درمیان اس عذر کے علاوہ کوئی دوسرا وضوء ٹوٹنے والا سبب پایا جائے تو اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا، اسی طرح جب نماز کا وقت نکل جائے تو خود بخود وضوء ٹوٹ جائے گا۔

اوپر معذور کی جو تعریف ذکر کی گئی ہے، وہ تو کسی کو معذور قرار دینے کے لیے ہے، پھر جب کوئی شخص شرعاً معذور بن جائے تو اب ہر وقت اس طرح کی حالت رہنا مشروط نہیں ہے، بلکہ اب وہ مستقل معذور کے حکم میں رہے گا، یہاں تک کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے جس کی حد یہ ہے کہ کسی فرض نماز کا پورا وقت گزر جائے اور اس میں ایک بار بھی پیشاب نہ ٹپکے۔

یہی حکم دوسرے امراض کا بھی ہے، جیسے مرض کے سبب مسلسل گیس نکلنا، بار بار پاخانہ آنا، مسلسل ناک سے خون آنا، مسلسل زخم یا پھوڑا وغیرہ سے خون یا پیپ کا رسنا، عورتوں کو استحاضہ کا مرض ہو جانا (جس سے خاص ایام کے علاوہ بھی مسلسل خون آنا شروع ہو جاتا ہے) اس طرح کے تمام معذوروں کا حکم ایک ہے کہ جب ایک بار کسی فرض کے وقت میں وضوء کرلیں تو اس وقت میں جتنے فرائض اور نوافل چاہیں پڑھ سکتے ہیں، اس مرض کے پیش آنے سے وضوء نہیں جائے گا، البتہ یہ سہولت معذور کو صرف اپنے لیے حاصل ہے، لہٰذا اس طرح کے مریض کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ وہ غیر معذوروں کو نماز پڑھائے، اور اگر پیشاب یا خون اور پیپ وغیرہ کپڑے کو لگ جاتی ہے تو اگر ایک درہم (بڑے والے ایک روپیہ کے سکہ) سے کم ہے تو معاف ہے، اور اگر اس سے زیادہ ہے اور مرض کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ اگر دھو بھی لے تو نماز سے فراغت سے پہلے پہلے دوبارہ نجاست لگ جائے گی تب بھی معاف ہے اور اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر شدت اتنی نہیں ہے تو دھونا ضروری ہے۔

مریض کے لیے تیمم: اگر کسی شخص کو ایسا مرض لاحق ہے جس میں پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھ جانے کا یا شفایابی میں تأخیر کا اندیشہ ہے، مثلاً اعضاء وضوء میں زخم ہوں، یا چیچک جیسا کوئی مرض لاحق ہو، تو وہ غسل اور وضو کی جگہ تیمّم کرسکتا ہے، اگر وضوء کرسکتا ہے اور غسل کرنا مضر ہے تو صرف غسل کی جگہ تیمّم کرے گا، دونوں کے لیے مضر ہو تو دونوں کے لیے تیمّم کرسکتا ہے، خواہ یہ اندیشہ تجربہ کار مسلمان ڈاکٹر نے بتایا ہو اور خواہ یہ اندیشہ تجربات اور علامات کے تحت اسے خود ہو، اسی طرح اگر سردی شدید ہے، گرم پانی کا نظم نہیں ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو موت واقع ہو جائے گی یا بیمار ہو جائے گا تب بھی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر وضوء میں اس طرح کا خوف ہے تو یہ بلا وجہ ہے لہٰذا صرف سردی کے ڈر سے وضوء کی جگہ تیمّم کی اجازت نہیں ہے، وضوء کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی کے اکثر بدن میں زخم یا چیچک ہوں تو وہ تیمّم کرے گا، اور اگر اکثر بدن صحت مند ہو، کم زخمی ہو تو صحت مند اعضاء کو غسل دلائے، اور اگر کوئی نقصان نہ ہو تو زخموں پر مسح کرلے، مسح ممکن نہ ہو تو پلاسٹر یا پٹی کے اوپر ہی مسح کرلے، غسل اور تیمّم جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح اکثر اعضاء میں زخم ہوں تو وضوء کی جگہ تیمّم کرلے، اکثر اعضاء ٹھیک ہوں تو ٹھیک اعضاء کو دھولے اور بقیہ پر وہی کرے جو غسل کے حکم میں بتایا گیا، اگر زخم آدھے اعضاء پر ہوں اور آدھے اعضاء صحت مند ہوں تب بھی صحیح قول کے مطابق تیمّم کرنا جائز ہے، غسل کرنے یا وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بیمار کی نماز: یہ بات تو ہر ایک جانتا ہے کہ نماز میں اللہ تعالی نے معذوروں کو بہت ساری سہولیات دی ہیں، اگر بیماری کے سبب کھڑا نہ ہو سکے، تو بیٹھ کے نماز پڑھ سکتا ہے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کے نماز پڑھ سکتا ہے، صرف رکوع اور سجدہ کے لیے اشارہ کرے اور سر کو رکوع اور سجدہ کے لیے جھکا لے، رکوع کے لیے کچھ کم اور سجدہ کے لیے کچھ زیادہ، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سر کو کسی تکیہ وغیرہ پر رکھ لے اور پیر قبلہ کی طرف کرلے، اس طرح جب سر تکیہ پر رکھے گا تو چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے گا، یہ بھی جائز ہے کہ داہنی کروٹ پر اس طرح لیٹ جائے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، اور کسی بھی وجہ سے منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہ ہو تو شریعت نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ کسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، پڑھنے کے بعد اگر اس حالت میں موت واقع ہو گئی تو انشاء اللہ نمازوں کے متعلق سوال نہیں ہوگا اس لیے کہ جتنے پر اس کی قدرت تھی اتنے پر اس نے عمل کرلیا ہے۔ (واللہ أعلم)

فیضان ربوبیت

محمود حسن حسنی ندوی

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں، جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے، حکیم الامت تھانویؒ نے بڑی اچھی وضاحت کی ہے کہ مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتا ہے، مثلاً عالم ملائکہ، عالم انسان، عالم جن، یہ تو مولانا تھانویؒ نے مثال کے طور پر چند نام لیے، عالم حیوانات، عالم نباتات، عالم جمادات، لیکن علم وعقل انھی تین جنس والوں کو عطا فرما کر دوسرے عالموں پر اشرفیت بخشی اور پھر ان تین جنس میں عالم انسان کو مزید خصوصیات وامتیازات عطا کر کے اشرف المخلوقات بنایا، اور سب کو اس کی خدمت پر لگا دیا، جس نے اللہ کی اس صفت کو کہ وہ کس کس انداز سے کس کس کی کیسی تربیت و پرورش فرماتا ہے جس نے جیسا استحضار کیا، اس پر رب العالمین کی نوازشیں بڑھتی چلی گئیں، حضرت مریم علیہا السلام کو ہی دیکھ لیجیے کہ جب غیب سے ان کے پاس رزق آنا شروع ہوا فوراً ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور لوگوں کی حیرانی کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ "**ھو من عند اللہ إن اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب**" (آل عمران) پھر اللہ کے حکم سے فرشتوں نے بغیر جوڑے کے انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی، اس پر وہ بولیں: اے میرے رب! کس طرح ہوگا میرے بچہ؟ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، اللہ کا فرمان آیا کہ: "**کذلک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضیٰ امراً فإنما یقول لہٗ کن فیکون**" (کہ ویسے ہی ہوگا، اللہ تعالی جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں، جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں، تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا! بس وہ چیز ہو جاتی ہے)

حضرت مریم کا حال بالکل نرالا، انوکھا اور حیران کن تھا، معاشرہ کا دباؤ ان کی زندگی اجیرن کرنے کے لیے کافی تھا، لیکن ان کے ایمان ویقین متعلق مع اللہ اور اعتماد علی الرب نے ان کی شکر گزاری میں غیر معمولی اضافہ کیا اور اس کے ساتھ صبر و برداشت اور ہمت واستقامت کو انہوں نے اس طرح جمع کیا کہ جس کی تاریخ نسوانی میں مثال نہیں ملتی سکتی، اور یہی چیز ان کی تمام خواتین عالم پر فضیلت و برتری کا باعث ہوئی اور ان کی تعریف اللہ تعالی نے فرمائی۔

آنحضور (ﷺ) کو اللہ رب العالمین نے ساری مخلوقات پر جو برتری عطا فرمائی، اس میں بھی ان کے اس یقین واعتماد اور تعلق مع اللہ کی مضبوطی اور سخت سے سخت حالات میں اس یقین کی کارفرمائی کہ حقیقی پرورش کرنے والا اور حقیقی مربی اپنی نگہداشت سے ایک لمحہ غافل نہیں ہے، اور وہ زبردست قدرت وطاقت اور غلبہ والا اور حکیم ہے، اپنی مصلحت وحکمت سے جو مناسب سمجھ رہا ہے انجام دے رہا ہے، اور اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ کر لے پھر اس چیز کے ظہور اور وجود میں آنے میں دیر نہیں لگتی، آگے پیچھے کرنے والی ذات وہی "حی وقیوم" اور "رحمٰن" اور "رحیم" کی ہے، آنحضور (ﷺ) کو اپنے خانگی حالات، عائلی زندگی، معاشرتی ماحول اور دینی وایمانی نظام اور انسانی بھائی چارگی اور عام سوسائٹی میں ہر موقع پر فیضان ربوبیت کی جو کارفرمائی نظر آرہی تھی، اس نے آپ (ﷺ) کو ایسے ایسے بڑے اقدامات کر لینے پر آمادہ کیا کہ ان سخت حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اگر آپ (ﷺ) کے صحابہ کو آپ (ﷺ) سے وہ فدائیانہ تعلق نہ ہوتا جو تھا تو اس عربی مزاج کے حامل لوگوں کے لیے ساتھ دینا مشکل ہو جاتا۔ کوہ صفا پر اعلان ہو، یا واقعۂ ہجرت یا بدر کا موقع، خندق کی کھدائی، حدیبیہ کی صلح اور مکہ کا قصد اور داخلہ، یہ ساری چیزیں اور واقعات جن حالات میں پیش آئے ہیں، انسان پر انگشت بدنداں کی کیفیت طاری ہونے کے لیے کافی ہیں، حضور (ﷺ) کو تمام تر حالات میں اللہ کی ربوبیت کاملہ کا اس قدر یقین تھا کہ یہ تعلیم دی کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو یہ ضرورت بھی اپنے رب سے ہی طلب کی جائے، اور ربوبیت کے فیضان کا زیادہ سے زیادہ مستحق وسزاوار ہونے کے لیے مومنین کو ایمان وتقوی اور نماز کے زیور سے اپنی زندگی کو آراستہ کرنے اور اجتماعی زندگیمیں اتحاد، بھائی چارگی، جذبۂ تعاون، ہمدردی وخیر خواہی کا وہ درس دیا کہ ایک بے ہنر اور لاچار اور مفلس شخص اپنی تمام تر معذوریوں مجبوریوں کے باوجود اس سے محرومی کا شکوہ نہیں کر سکتا تھا، جسمانی، روحانی، قلبی ودماغی رزق ان اوصاف سے آراستہ ہونے کے ساتھ اضافہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، قرآن نے اس کی طرف متوجہ کیا اور رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے اہل وعیال اور اصحاب ورفقاء کار کو اس کا اطمنان دلایا، اور اس کا یقین بٹھایا۔ یہی فیضان ربوبیت تھا کہ سخت حالات میں روم وایران کی عالمگیر طاقتوں کو ان بوریہ نشینوں نے چیلنج کیا، اور غلبہ حاصل کیا۔

سخت سے سخت حالات میں تعلق مع اللہ کا خیال اور اللہ کو پکار اور دعا وانابت اور پھر اس کے نتیجہ میں دل کا اطمینان اور اللہ بھروسے بڑے سے بڑا قدم اٹھا لینا اور اللہ کی ربوبیت پر یقین متزلزل نہ ہونے دینا، ایسی نعمت اور خیر وبرکت لے آتا ہے کہ جس کی طرف دھیان بھی جانا محال تھا، حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ پر نظر ڈالیے "**ربِّ إني لما أنزلت إليّ من خير فقير**" (کہ اے رب! تو جو بھی اچھی چیز اتارے میری طرف، میں اس کا محتاج ہوں) (سورۃ قصص آیت ۲۴-) ذرا دیکھیے تو! کن حالات میں کیسی بے سروسامانی میں، اجنبی ماحول، اجنبی جگہ، اجنبی لوگ، اپنے وطن مصر سے بس اللہ بھروسے نکل پڑے، فیضان ربوبیت کی کارفرمائی ہوئی، وہاں کے باشندوں کے دلوں میں محبت آئی، اور ...تعاون و ہمدردی وخیر خواہی کا خیال آیا، اور اچھی رہنمائی حاصل، گھر آباد ہو گیا، کنبہ تعمیر ہو گیا، مزید انعام خداوندی ہوا کہ نبوت وحکمت اور رسالت عطا ہوئی، اور اس پر مزید فضل یہ کہ کلام الٰہی سے بغیر واسطہ کے مشرف ہوئے۔

نرم گرم، سہولت اور شدت، راحت ومصیبت کے حالات آگے پیچھے، "**مع العسر یسراً**"، اور "**مع الیسر عسراً**" کی صورت مخلوق خدا کے سامنے آتے ہیں، کبھی کوئی تیز رفتار سست پڑتا ہے، تو دوسرا ساعی ومجاہد آگے بڑھتا ہے، میدان عمل کا ایک رفیق ٹھیرتا ہے، دوسرا رفیق تیز گام ہوتا ہے، "**تلک الأیام نداولھا بین الناس**" کی سچائی اور حقیقت جلوہ گر ہوتی ہے، کبھی ایک کو صبر کا صلہ کبھی دوسرے کو شکر کی جزا ملتی نظر آتی ہے، جس کا جتنا اللہ پر اعتماد ویقین اور توکل مضبوط ہو گیا، اور جس کو جتنی اپنے رب کے فیصلوں پر طمانیت، سکینت حاصل ہوئی، اس پر مربی حقیقی کے انعامات بڑھتے ہی جاتے ہیں، اور وہ یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ پھر دوسروں پر انعامات، الطاف وعنایات اور مہربانیاں اس کے طفیل سے لگ جاتی ہیں "**ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**" دوسروں کی زبان پر اور خود اس کی زبان پر "**ھذا من فضل ربي**" جاری ہوتا ہے اور اس کا قلب و قالب اپنے رب کی حمد وثنا میں سرشار ہوتا ہے "**اللّٰھم أنعم علیناشآبیب نعمتک و رحمتک و رضوانک**" آمین

عالمی خبریں

ابرار احسن ایوبی ندوی

اسلامی بینکنگ نظام فرانس کی ترجیحات میں شامل

باریس:-فرانس کی وزیر مالیات واقتصادیات مسز کریسٹن لاجارڈ نے اسلامی سرمایہ کاری کے موضوع پر ہونے والی دوسری فرانسیسی کانفرنس میں اس بات کا اظہار کیا کہ فرانس پاریس کو اسلامی سرمایہ کاری کا مرکز بنانا چاہتا ہے، اور فرانس میں اسلامی بینکنگ نظام کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری سہولیات فراہم کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

فرانس کے مشہور اقتصادی مرکز موڈیاس کے ایک ماہر رکن نے بتایا کہ جو مالیاتی ادارے تعاون کرنے کو تیار ہوں گے ان کا ابتدائی کام سرمایہ کی فراہمی ہوگی، اور دو-تین سال بعد ہی یہ بینک پچاس لاکھ سے زائد مسلمانوں کے لیے باقی خدمات پیش کرسکیں گے۔فرانس کی طرف سے یہ اعلان دراصل برطانیہ میں پہلے اسلامی بینک کے کامیاب تجربہ کے تناظر میں ہے۔جسے یورپ نے ستمبر ۲۰۰۴ء میں عملی طور پر آزمایا۔

خلیجی ممالک کے ۳ بینکوں ''اسلامی بینک قطر''، ''بینک تمویل کویت'' اور ''برکت اسلامی بینک بحرین'' کو اپنی شاخیں قائم کرنے کی فرانس نے اجازت دے دی ہے۔

اسلامی طریقۂ تجارت-عالمی مالیاتی بحران کا واحد حل

ہانگ کانگ کے نائب وزیر مالیات اڈی یوی نے عالمی اقتصادی کساد مندی اور مالیاتی بحران سے نپٹنے کے لیے اسلامی طریقۂ تجارت اور سرمایہ کاری کو اپنانے کے لیے زور دیا ہے اور ہانگ کانگ کی اقتصادی ترقی کے لیے اسے مفید بتایا ہے۔

برنامانیوز ایجنسی کے مطابق مسٹر اڈی یوی نے اس بات کا اظہار کیا کہ اسلامی طریقۂ تجارت وسرمایہ کاری کو اپنانے کا ہم ارادہ کرچکے ہیں، اور ہانگ کانگ کے لیے اب اسے روبہ عمل لانے کا وقت ہوچکا ہے۔

ایسٹ لوثیان میں پہلی مسجد

اسکاٹ لینڈ:-روزنامہ ایوننگ نیوز کے مطابق اسکاٹ لینڈی مسلمانوں نے ایسٹ لوثیان میں پہلی مسجد تعمیر کرنے کے لیے مالی تعاون اکھٹا کرنا شروع کردیا ہے۔

اس سے قبل ایسٹ لوثیان میں ایک بھی مسجد نہیں تھی اور اس خطہ کے مسلمانوں کو اپنے شعائر کی ادائیگی میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا تھا، خاص طور پر جمعہ کی نماز کی ادئیگی کے لیے ایڈ بزگ جانا پڑتا تھا جہاں پر سات مسجدیں ہیں۔یہ بھی واضح رہے کہ ویسٹ لوثیان میں تین مسجدیں تعمیر کی جاچکی ہیں۔امید ہے کہ ذمہ داران جلد ہی مسجد کے لیے کوئی جگہ منتخب کرلیں گے یا یہ کہ کوئی مناسب مکان مسجد میں تبدیل کرلیں گے۔

۳۷ جنوبی کوریائی فوجیوں کا قبول اسلام

(سیول) عراق بونڈ ''زیتون یونٹ'' کے اسپیشل فورسس کی ۱۱ ویں بٹالین کے لیفٹیننٹ سان ہیون سمیت ۳۷ فوجیوں نے سیول کی جامع مسجد میں اجتماعی طور پر اسلام قبول کیا، ان کا کہنا تھا کہ اسلام دیگر مذاہب سے زیادہ انسانیت نواز اور امن پسند مذہب ہے۔اسلام قبول کرنے والے ان کوریائی فوجیوں کو عراق کی زیتون یونٹ نے موقع دیا تھا کہ وہ اسلام کے رابطہ میں آئیں، اور چونکہ اربل کے تمام باشندے مسلمان ہیں اس لیے یونٹ نے غیر مسلم فوجیوں کو ہنام ڈانگ مسجد اربل میں اسلامی طرز فکر سیکھنے کے لیے بھیجا تھا جن میں ایک بڑی تعداد اسلام سے متاثر ہوئی۔

میڈیا اور سماج کے عنوان پر سیمینار

پیام عرفات (اردو) عرفات کرن (ہندی) عرفات وائس (انگریزی) کا رسم اجراء

(رائے بریلی ۴/جنوری) مرکز الإمام أبي الحسن علي ندوي، دارعرفات کے زیر اہتمام ''میڈیا اور سماج'' کے عنوان سے ایک سیمنار منعقد کیا گیا جس کے صدارتی کلمات میں صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے کہا کہ ٹیلی ویژن جو میڈیا کا سب سے طاقتور ذریعہ بن گیا ہے اس میں اپنے مقاصد اور خواہشات کے لیے ایسی چیزیں بڑھا چڑھا کر پیش کردی جاتی ہیں جس سے انسانیت سازی کا کام بری طرح سے متاثر ہورہا ہے، جبکہ آج ضرورت ہے کہ میڈیا انسانیت سازی کا کام کرے، آج جو دہشت گردی کے واقعات ہورہے ہیں اس میں میڈیا کو بھی بڑا دخل ہے، میڈیا کو ان باتوں کا چرچا نہیں کرنا چاہیے جس میں کوئی انسانی فائدہ نہیں ہے، ضرورت ہے کہ میڈیا کو صحیح راستہ پر لایا جائے اور اس کو تعمیری رخ دیا جائے۔مہمان خصوصی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (چانسلر انٹیگرل یونیورسٹی) نے کہا کہ میڈیا آج غلط ہاتھوں میں پڑ گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں صحیح فکر رکھنے والے افراد سامنے آئیں تاکہ میڈیا کو اس کی صحیح سمت پر لایا جاسکے، لیکن اس کے لیے ٹھوس اور مؤثر ذرائع اختیار کرنے ہوں گے۔'' اس سے پہلے مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) نے اپنے مضمون میں یہودی پروٹوکول سے متعلق کچھ اہم وضاحتیں کرنے کے بعد موجودہ دور کے عالمی میڈیا کے یہودی مفادات کے تحت کام کرنے کی حقیقت پر روشنی ڈالی، انھوں نے کہا کہ میڈیا آج پوری طرح یہودی شکنجہ میں ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مفادات حاصل کررہے ہیں، اور خاص کر اس کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے، یہ ایک قابل تشویش صورت حال ہے۔اس موقع پر ''مغربی میڈیا اور اس کے اثرات'' کے مصنف مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے کہا کہ میڈیا کے مضر اثرات کا جواب ہمیں مختلف وسائل سے دینا چاہیے جو ہمارے اختیار میں ہیں۔جس میں ہمارے رسائل اور مجلّات کے علاوہ ایک بڑا وسیلہ جمعہ کے خطبے بھی ہیں، آج پوری دنیا کے صالح معاشرہ کے خلاف مغربی معاشرہ کا اعلان جنگ ہے، جس کے لیے بے حیائی کو فروغ دے کر خاندانی نظام کو ختم کرنے کا عمل بھی اختیار کیا جارہا ہے۔مولانا عبداللہ حسنی ندوی (استاذ حدیث ندوۃ العلماء) نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج میڈیا کے سماج پر گہرے اثرات مرتب ہورہے ہیں، لیکن اس پر ان کی اجارہ داری ہے جن کو انسانی قدروں کا نہ لحاظ ہے اور نہ ہی اپنے مفاد کے علاوہ دوسروں کے مفادات کا ادنیٰ خیال ہے، وہ مسلمانوں کے مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرنے کی تمام تر کوششیں کرتے ہیں۔آج میڈیا ایک فن بن گیا ہے، جھوٹ کو اس طرح پیش کردیا جاتا ہے کہ سچ معلوم ہو، جب کہ میڈیا کا رول تو یہ ہونا چاہیے کہ سچ کی خدمت کرے، جب میڈیا اپنا رویہ نہیں بدل رہا ہے تو دوسروں کو اس کی خدمت کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔

اس موقع پر مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دارعرفات کے تحت تین رسالوں ''پیام عرفات'' (اردو) ''عرفات کرن'' (ہندی) ''عرفات وائس'' (انگریزی) کا اجراء عمل میں آیا۔اس سیمینار میں شہر رائے بریلی کے بعض سرکاری عہدیداران اور مسلم وغیر مسلم دانشوروں کی بڑی تعداد موجود تھی۔

فلسطین کا المیہ

محمد نفیس خان ندوی

غزہ کا علاقہ تقریباً ۴۵۰ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، اس کی لمبائی ۴۵ کلومیٹر اور چوڑائی ۱۰ کلومیٹر تک ہے، یہاں کی گنجان آبادی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مربع کلومیٹر میں تقریباً ۱۲۷۰۰ افراد رہائش پذیر ہیں۔ غزہ کے خلاف اسرائیلی سازشیں تو روز اول سے ہی جاری ہیں، البتہ ۲۰۰۶ء کے انتخابات میں جب حماس نے برتری حاصل کی، تو حماس کی یہ کامیابی اسرائیل نواز طاقتوں کو ایک آنکھ نہ بھائی، چنانچہ صہیونی طاقت اور اس کے ساتھ امریکہ و برطانیہ نے حماس کو کچلنے کی ٹھان لی، امریکہ و اسرائیل کے ساتھ 'الفتح' بھی اس میں پوری طرح شریک ہوگیا۔

واضح رہے کہ چھ ماہ قبل حماس اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا اور حماس نے یہ یقین دلایا تھا وہ حملوں میں پہل نہیں کرے گا، اور اسرائیل سے اس بات کی ضمانت لی تھی کہ وہ اقتصادی پابندیاں ختم کرے گا اور رفح کا کراسنگ پوائنٹ (جو کہ غزہ اور مصر کو ملاتا ہے) کھلا رہے گا، مگر اسرائیل اپنے وعدہ سے مکر گیا، نہ تو محاصرہ ختم ہوا اور نہ غزہ پر حملوں کا سلسلہ بند ہوا۔

غزہ پر اسرائیلی دہشت گردی کا منصوبہ بہت پہلے سے تیار تھا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اوباما کے حلف اٹھانے کے بعد اسرائیلیوں کو یقین ہوتا جارہا تھا کہ کلنٹن دور کے امریکی ایلچی ڈین روڈس کی نگرانی میں ایک اور مصالحتی کمیشن تشکیل دیا جائے گا اور پھر اسرائیل اور فلسطین کے درمیان مفاہمت کا نیا ڈرامہ شروع ہوجائے گا، اور امریکہ اپنی زیادہ توجہ افغانستان، روس، اور چین پر مرکوز کردے گا، جس کا سیدھا فائدہ علاقہ میں موجود فلسطین نواز قوتوں کو ہوگا، اسی لیے پہلے سے ہی غزہ کا محاصرہ کرلیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی رہی کہ حماس کی کارروائیوں کے پیش نظر یہ حفاظتی اقدام کیا جارہا ہے، اس کے بعد غزہ میں ہر طرح کی سپلائی، خاص کر دوا، پانی اور تیل کی روک دی گئی تاکہ یہاں سے کوئی بڑا ردعمل سامنے نہ آسکے، اس سارے ڈرامہ میں نام نہاد فلسطینی اتھارٹی اور الفتح نے انتہائی افسوسناک کردار ادا کیا، اور اسرائیل کی اس حرکت پر چپ سادھ لی۔ اسرائیل نے یہ جنگ اس لیے بھی ضروری سمجھی کہ عنقریب ہی فلسطین اور اسرائیل کی قیادت میں تبدیلی واقع ہونے والی ہے، اسرائیل نواز فلسطینی صدر محمود عباس کی مدت صدارت جنوری ۲۰۰۹ء میں ختم ہونے والی ہے، اور فروری میں اسرائیل میں انتخابات ہونے والے ہیں چنانچہ اس کے ذریعہ انتہا پسند صہیونیوں کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے وقت مل جائے گا، یہی وجہ ہے کہ غزہ پر حملہ کے فوراً بعد اسرائیل میں انتخابات کے مؤخر کیے جانے کی آواز اٹھنے لگی، سب سے پہلے صہیونی انتہا پسند وزیر دفاع ایہود باراک نے اس کا اعلان کیا، اور اپنے ایک اعلامیہ میں کہا کہ چونکہ ملک کے جنوبی حصہ میں جنگ کی صورت حال ہے اس لیے وزیر دفاع کا انتخابی عمل سے زیادہ جنگی سرگرمیوں پر توجہ دینا زیادہ ضروری ہے۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد اسرائیل نے ۱۹۵۶ء میں پہلی بار اپنی فوج غزہ میں اتاری تھی، اسرائیل کا یہ قبضہ صرف چند ماہ پر محیط تھا، اس کے بعد ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر صہیونی فوجیں دوسری بار غزہ میں داخل ہوئیں اور تقریباً ۳۶ سال (۲۰۰۳ء) تک غزہ پر ان کا محاصرہ رہا، اس طرح اسرائیل کی فوج غزہ کی ایک ایک گلی سے واقف ہے، اس کے پاس ہر قسم کی معلومات اور مخبروں کا مضبوط نیٹ ورک ہے، لیکن ان تمام تر انفارمیشن کے باجود اسرائیلی حکومت اپنے اصل ہدف کو حاصل نہیں کرسکی۔ اسرائیل کے اصل اہداف کیا ہیں، یہ خود ایک معمہ ہے، اسرائیل جیسا طاقتور ملک جو کہ ہر طرح کے جدید ہتھیاروں سے لیس ہے، نہتے فلسطینیوں پر حملہ کرتا ہوا اور دندناتا ہوا فلسطین کے اندر تک گھستا چلا جاتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم اپنے ٹارگیٹ کے بالکل قریب ہیں اور پھر اچانک ڈرامائی انداز میں وہ پچھڑتا چلا جاتا ہے؟ اس کے پس پردہ حقائق کیا ہیں یہ کہنا شاید قبل از وقت ہوگا۔

میڈیا کے ذریعہ جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کے اعتبار سے اسرائیل کا بنیادی ہدف حماس کی قیادت کا خاتمہ (جس کے لیے اسرائیل گذشتہ تین سالوں سے کوشش کررہا ہے) غزہ پر الفتح کا مکمل کنٹرول اور اسرائیلی مغوی فوجی گیلا دشالیت کی رہائی ہے، اس جنگ میں اسرائیل نے کیمیائی ہتھیار، میزائیل، کلسٹر بم، ڈیزی کٹر بم، فاسفورس بم، راکٹ، F-16, F-18 طیارے اور ہر طرح کے جنگی ہتھیاروں کا کھلم کھلا استعمال کیا، بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہایا، بھوک و پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر معصوموں نے جانیں گنوائیں، بلک بلک کر بچے مرتے رہے لیکن جب ایہود اولمرٹ (اسرائیلی وزیر اعظم) سے انسانیت کی بات کی گئی تو اس کا ٹکا سا جواب تھا کہ کوئی ملک ہمیں اخلاقیات کا درس نہ دے، حملے جاری رہیں گے۔ لیکن ان تمام جارحیت کے باجود اسرائیل اپنا کوئی ہدف پورا نہ کرسکا، غزہ کے مظلوم اور نہتے مسلمانوں کے خلاف اسرائیلی فوجی طاقت کا استعمال فی الواقع اسرائیل کا اعتراف شکست، اس کی بوکھلاہٹ اور ناکامی کا ثبوت ہے۔

فلسطین کی آزادی حماس کا نعرۂ اول اور جائز مطالبہ ہے، اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی سرزمین پر سے صہونیوں کا غاصبانہ قبضہ ختم ہو اور فلسطینی عوام اپنے مادر وطن میں آزادانہ زندگی گذاریں تو اس کے لیے انھیں ''دہشت گرد'' کیسے کہا جاسکتا ہے مگر اسرائیل، امریکہ اور یورپ کی نظر میں یہی سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔

فلسطین کے خلاف اسرائیلی جارحیت سے کچھ ایسے پہلو بھی سامنے آئے ہیں جن کے تاریخ پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے، پہلی بات تو یہ کہ الکٹرانیک میڈیا کے ذریعہ (جبکہ میڈیا پر بعض پابندیاں بھی عائد تھیں) اسرائیلی حیوانیت پوری دنیا کے سامنے آئی، اب تک بچے اور نوجوان کتابوں اور اخباروں کے ذریعہ ہی اسرائیلی مظالم کو پڑھتے اور سمجھتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ امریکہ و یورپ جس دہشت گردی کی مالا صبح شام جپتے تھے اس کی حقیقت بھی بے نقاب ہوگئی۔ اور تیسری بات یہ کہ پوری دنیا خصوصاً مسلم دنیا نے اسرائیل کے خلاف اپنے بھرپور ردعمل کا مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ اسرائیل کے خلاف سب ایک ہیں، اس کے ساتھ ہی مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور ان کی بزدلی بھی سامنے آئی جس سے ان کے عوام میں نفرت اور غم و غصے میں مزید اضافہ ہوا۔

اسرائیلی جارحیت کے خلاف پوری دنیا نے نفرت و غصہ کا اظہار کیا، عوام سڑکوں پر اتر آئے، اسرائیل پر عالمی دباؤ بڑھتا گیا، احتجاجی جلوسوں کا سلسلہ جاری رہا، اقوام متحدہ میں بھی اٹھائی گئی آواز میں تیزی آتی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ بظاہر اسرائیل نے جنگ بندی کا اعلان کردیا لیکن سوال یہ ہے کہ اسرائیل کی اس بربریت اور انسانیت سوز حرکتوں کو کیا یونہی معاف کردیا جائے گا، اسرائیل نے جنگ بندی کرکے فلسطینی عوام پر رحم کیا ہے یا ان کے سیکڑوں بے گناہ کا قتل عام اور لاکھوں انسانوں کو بے گھر کرکے بدترین جرم کیا ہے؟ کیا اسرائیل ہر طرح کے عالمی قوانین سے بالاتر ہے؟ کیا اسرائیل کو انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی کھلی اجازت ہے؟ یہ ایک سلگتا ہوا سوال ہے امن عالم کے ٹھیکیداروں کے سامنے اور ہر اس شخص کے سامنے جو انسانیت پر یقین رکھتا ہو۔